ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 411

Program: B.A. / Associate Degree

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: عمرانیات-I(411) • سطح: بی اے / ایسوسی ایٹ ڈگری

سمسٹر: خزاں2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ5تا9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر بی اے: 50% کامیابی کے نمبر ایسوسی ایٹ ڈگری: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ وحوالہ کے لیے)

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اسے پڑھ کر مضمون کو سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں، اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں تحریر کریں۔ ہو بہو نقل کرنا تعلیمی دیانت کے خلاف ہے۔

سوال نمبر1: ثقافت کے بنیادی عناصر اور انسانی رویوں پر اثرات (20نمبر)

سوال نمبر1: ثقافت کے بنیادی عناصر (Elements of Culture) کی وضاحت کریں اور بیان کریں کہ ثقافت انسانی رویوں کو کیسے متاثر کرتی ہے۔(20)

تعارف

ثقافت انسانی معاشرے کی سب سے نمایاں پہچان ہے۔ انسان اور حیوان میں بنیادی فرق یہی ہے کہ حیوان اپنی جبلت کے مطابق جیتا ہے جبکہ انسان سیکھا ہوا رویہ اختیار کرتا ہے، اور اسی سیکھے ہوئے مجموعے کا نام ثقافت ہے۔ برطانوی ماہر ای۔ بی۔ ٹائلر (Tylor .B .E) نے 1871ء میں ثقافت کی جامع تعریف دی: ثقافت وہ پیچیدہ مجموعہ ہے

جس میں علم، عقائد، فن، اخلاق، قانون، رسم ورواج اور وہ تمام صلاحیتیں وعادات شامل ہیں جو انسان معاشرے کے رکن کی حیثیت سے حاصل کرتا ہے۔ ہماری زبان، لباس، کھانا، شادی بیاہ کے طریقے، سلام کے آداب اور اچھے برے کے تصورات — یہ سب ثقافت ہی کے مظاہر ہیں۔

اس جواب میں ثقافت کے بنیادی عناصر — اقدار، معیارات، عقائد، زبان، علامتیں، رسم ورواج اور مادی اشیاء — کی وضاحت کی جائے گی اور پھر تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ ثقافت سماجیاتی عمل، شناخت، اخلاقیات اور روزمرہ فیصلوں کے ذریعے انسانی رویوں کو کس طرح ڈھالتی اور متاثر کرتی ہے۔

ثقافت کے بنیادی عناصر

1۔ اقدار (Values)

اقدار وہ اجتماعی تصورات ہیں جو بتاتے ہیں کہ کیا اچھا، مطلوب اور قابلِ قدر ہے اور کیا ناپسندیدہ ہے۔ سچائی، انصاف، ایمانداری، بزرگوں کا احترام، بہادری اور صفائی مختلف ثقافتوں کی بنیادی اقدار ہیں۔ اقدار معیارات کی جڑ ہوتی ہیں؛ جہاں بزرگوں کا احترام قدر ہو، وہاں ان کے آگے اونچی آواز میں نہ بولنے جیسے معیارات پیدا ہوتے ہیں۔ اقدار نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں اور معاشرے کو ایک مشترکہ اخلاقی سمت فراہم کرتی ہیں۔

2۔ معیارات یا سماجی ضابطے (Norms)

معیارات رویے کے وہ اصول وتوقعات ہیں جن کے مطابق معاشرے کے ارکان عمل کرتے ہیں۔ یہ تحریری بھی ہو سکتے ہیں جیسے قوانین، اور غیر تحریری بھی جیسے آداب و رسوم۔ معیارات کی خلاف ورزی پر سماجی سزا ملتی ہے — کبھی رسمی جیسے جرمانہ اور قید، اور کبھی غیر رسمی جیسے طنز، ناراضی یا سماجی بائیکاٹ۔ معیارات ہی رویے کو قابلِ پیش بینی بناتے ہیں اور سماجی نظام کو برقرار رکھتے ہیں۔

3۔عقائد(Beliefs)

عقائد وہ بیانات اور تصورات ہیں جنہیں ایک ثقافت کے لوگ سچا مانتے ہیں۔ مذہبی عقائد، تقدیر و قضا کا تصور، دنیا کی ابتدا کے بارے میں خیالات اور سائنسی حقائق پر یقین — یہ سب عقائد کے دائرے میں آتے ہیں۔ عقائد اقدار کو تقویت دیتے ہیں اور لوگوں کے بڑے فیصلوں — شادی، پیشہ، علاج — کو متاثر کرتے ہیں۔

4۔زبان اور علامتیں(Language and Symbols)

زبان ثقافت کا ذخیرہ اور اس کی منتقلی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ زبان کے بغیر علم، روایات اور جذبات اگلی نسل تک نہیں پہنچ سکتے۔ علامتیں وہ اشیاء یا اشارے ہیں جن کا کوئی مخصوص سماجی معنی ہوتا ہے: جھنڈا، انگوٹھی، سلام میں ہاتھ ملانا یا سر جھکانا۔ علامتوں کے معانی ارادی ہوتے ہیں اور ثقافت کے بغیر سمجھے نہیں جا سکتے؛ اسی لیے ایک ہی اشارہ ایک ثقافت میں احترام اور دوسری میں بے ادبی ہو سکتا ہے۔

5۔رسم و رواج اور مادی ثقافت

رسم و رواج وہ دہرائے جانے والے اجتماعی اعمال ہیں جو خاص مواقع پر ادا کیے جاتے ہیں، جیسے شادی، ولادت اور تدفین کی رسومات۔ دوسری طرف مادی ثقافت میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جو انسان بناتا اور استعمال کرتا ہے: اوزار، عمارتیں، لباس، گاڑیاں اور ٹیکنالوجی۔ مادی اور غیر مادی (اقدار، عقائد، اصول) ثقافت باہم جڑی ہوتی ہیں، اور جب ایک دوسری سے پیچھے رہ جائے تو ثقافتی تاخیر کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔

ثقافت انسانی رویوں کو کیسے متاثر کرتی ہے

ثقافت کا سب سے گہرا اثر سماجیاتی عمل (Socialization) کے ذریعے پڑتا ہے۔ پیدائش سے لے کر جوانی تک بچہ خاندان، اسکول، مذہب اور ذرائع ابلاغ سے اپنی ثقافت کے عناصر سیکھتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے لیے قدرتی اور فطری محسوس ہونے لگتے ہیں۔ وہ یہ سیکھتا ہے کہ کیا کھانا ہے، کیسے بولنا ہے، کن سے کیسا سلوک کرنا ہے اور کن باتوں پر شرمانا یا فخر کرنا ہے۔ یہی سیکھ اس کی شخصیت، عادات اور ترجیحات کی بنیاد بنتی ہے، اور اسی لیے مختلف ثقافتوں کے لوگوں کے رویے نمایاں طور پر مختلف ہوتے ہیں۔

ثقافت شناخت فراہم کرتی ہے۔ انسان خود کو کسی قوم، مذہب، زبان یا علاقے سے جوڑ کر پہچانتا ہے اور اسی شناخت کی حفاظت کے لیے رویہ اختیار کرتا ہے۔ ثقافت اخلاقی فیصلوں کو بھی ڈھالتی ہے: ایک ثقافت میں والدین کی خدمت زندگی بھر کا فرض ہے، دوسری میں خود مختاری کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے؛ اسی طرح وقت کی پابندی، ذاتی فاصلہ، خواتین کا کردار اور کاروباری اخلاقیات ہر جگہ یکساں نہیں ہوتے۔ نیز ثقافت جذباتی اظہار کو بھی متعین کرتی ہے — کہاں غم پر رونا مناسب سمجھا جاتا ہے اور کہاں آواز بلند کرنا۔

البتہ ثقافت جامد نہیں ہوتی۔ جب دو ثقافتوں کا رابطہ ہوتا ہے تو خیالات، اشیاء اور رویے منتقل ہوتے ہیں — جسے ثقافتی اشاعت (Cultural Diffusion) کہتے ہیں۔ پاکستانی نوجوانوں کا لباس، کھانوں میں فاسٹ فوڈ کی مقبولیت اور انگریزی الفاظ کا عام استعمال اس کی مثالیں ہیں۔ اس عمل سے رویوں میں تبدیلی آتی ہے، بعض اوقات نسلوں کے درمیان اختلاف بھی پیدا ہوتا ہے، مگر ثقافت اسی رفت و آمد سے زندہ اور متحرک رہتی ہے۔ انسان صرف ثقافت کا پروردہ بھی نہیں، اس کا خالق بھی ہے؛ افراد اور گروہ وقت کے ساتھ نئی اقدار اور نئے انداز تخلیق کرتے رہتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ ثقافت اقدار، معیارات، عقائد، زبان و علامتوں، رسم و رواج اور مادی اشیاء کا ایسا مربوط مجموعہ ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کو ڈھالتا ہے۔ یہ سماجیاتی عمل کے ذریعے فرد کی شخصیت، شناخت، اخلاقیات اور روزمرہ رویوں کو متعین کرتی ہے اور اسے اپنے معاشرے کا فعال رکن بناتی ہے۔ ثقافت کے بغیر انسان محض حیاتیاتی وجود ہوتا؛ ثقافت ہی اسے بامعنی سماجی زندگی عطا کرتی ہے۔ ساتھ ہی ثقافت بدلتی بھی رہتی ہے، اور اسی توازن — تسلسل اور تبدیلی — میں انسانی معاشروں کی نشوونما پوشیدہ ہے۔

سوال نمبر 2: سماجی ضابطوں کی اقسام اور نظم وضبط میں کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 2: سماجی ضابطوں (Social Norms) کی اقسام بیان کریں اور ان کے معاشرے میں نظم وضبط قائم رکھنے کے کردار کا جائزہ لیں۔ (20)

تعارف

سماجی ضابطے یا معیارات (Social Norms) وہ غیر تحریری اور تحریری اصول ہیں جو بتاتے ہیں کہ کسی خاص صورتحال میں کیسا رویہ مناسب اور کیسا نامناسب ہے۔ قطار میں کھڑا ہونا، بزرگ کو جگہ دینا، مہمان کی تواضع کرنا اور وعدہ پورا کرنا — یہ سب ضابطے ہیں جن کی بدولت ہم دوسروں کے رویے کی پیش گوئی کر سکتے ہیں۔ اگر یہ ضابطے نہ ہوتے تو ہر ملاقات بے یقینی سے بھر جاتی اور معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا۔ ولیم گراہم سمنر (William Graham Sumner) نے ضابطوں کی درجہ بندی کرتے ہوئے انہیں لوک ریت (Folkways)، رسمیں یا اخلاقی ضابطے (Mores) اور قوانین (Laws) میں تقسیم کیا۔

اس جواب میں پہلے ضابطے کی تعریف، پھر اس کی اقسام تفصیل سے بیان کی جائیں گی، اور آخر میں یہ جائزہ لیا جائے گا کہ ضابطے انعام و سزا، سماجیاتی عمل اور باہمی اعتماد کے ذریعے معاشرے میں نظم و ضبط کس طرح قائم رکھتے ہیں، اور ان کی حدود کیا ہیں۔

سماجی ضابطوں کی اقسام

1۔ لوک ریت (Folkways)

لوک ریت روزمرہ زندگی کے وہ معمولی ضابطے ہیں جن کا تعلق آداب اور شائستگی سے ہوتا ہے: سلام کرنا، کھانا کھانے کے آداب، لباس کا انتخاب، بات چیت کا انداز۔ ان کی خلاف ورزی پر کوئی قانونی سزا نہیں ملتی، البتہ لوگ ناگواری کا اظہار کرتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں یا حیرت ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی حیثیت عادت جیسی ہوتی ہے اور یہ معاشرتی زندگی کو خوشگوار اور ہموار بناتے ہیں۔

2۔ رسمیں / اخلاقی ضابطے (Mores)

اخلاقی ضابطے وہ معیارات ہیں جن سے معاشرے کی اخلاقی بقا وابستہ سمجھی جاتی ہے: سچ بولنا، والدین کی خدمت، چوری و قتل سے اجتناب، عہد کی پاسداری۔ ان کی خلاف ورزی کو گناہ یا جرم سمجھا جاتا ہے اور اس پر سخت سماجی سزا ملتی ہے — بدنامی، برادری سے اخراج یا مذہبی مذمت۔ ممنوعات (Taboos) ان کی انتہائی صورت ہیں جن کے بارے میں سوچنا بھی ناپسند کیا جاتا ہے۔ یہ ضابطے معاشرے کی اقدار کی حفاظت کرتے ہیں۔

3۔ قوانین (Laws)

قوانین وہ ضابطے ہیں جنہیں ریاست باقاعدہ تحریری صورت میں نافذ کرتی ہے اور جن کی خلاف ورزی پر عدالتیں، پولیس اور جیل جیسے رسمی ادارے سزا دیتے ہیں۔ قتل، ڈکیتی، ٹریفک کی خلاف ورزی اور معاہدوں کی پاسداری قوانین کے دائرے میں آتے ہیں۔ بہت سے قوانین دراصل اخلاقی ضابطوں ہی کی قانونی صورت ہوتے ہیں، مگر جدید پیچیدہ معاشروں میں ریاست کو نظم کے لیے تحریری قوانین ناگزیر ہوتے ہیں۔ قوانین کی ایک اور قسم وہ ضابطے بھی ہیں جو اداروں کے اندر چلتے ہیں، جیسے اسکول کے قواعد یا دفتر کے ضوابط۔

جدول 1: سماجی ضابطوں کی اقسام کا موازنہ

قسم	مفہوم	خلاف ورزی کی سزا	مثال
لوک ریت	روزمرہ آداب و عادات	غیر رسمی ناگواری، طنز	سلام نہ کرنا، نامناسب لباس
اخلاقی ضابطے	اقدار سے جڑے مضبوط اصول	سخت مذمت، بائیکاٹ	جھوٹ، والدین کی نافرمانی
قوانین	ریاست کے تحریری ضابطے	جرمانہ، قید، عدالتی کارروائی	چوری، ٹریفک خلاف ورزی

نظم وضبط قائم رکھنے میں ضابطوں کا کردار

ضابطے سب سے پہلے رویے کو قابلِ پیش بینی بناتے ہیں۔ جب سب کو معلوم ہو کہ دکاندار وزن پورا دے گا، ڈرائیور اشارے پر رکے گا اور استاد وقت پر آئے گا تو اعتماد پیدا ہوتا ہے اور زندگی ہموار چلتی ہے۔ دوسرا، ضابطے انعام و سزا (Sanctions) کے نظام سے کام کرتے ہیں: اچھے رویے پر تعریف، شاباش، عہدہ اور اعتماد ملتا ہے، جبکہ خلاف ورزی پر تنبیہ سے لے کر قید تک کی سزائیں رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہ سزائیں رسمی (عدالت، ادارہ) بھی ہوتی ہیں اور غیر رسمی (خاندان، محلہ، دوست) بھی، اور اکثر غیر رسمی سزائیں روزمرہ نظم میں زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔

تیسرا اہم ذریعہ داخلی قبولیت ہے: سماجیاتی عمل کے ذریعے ضابطے فرد کے ضمیر کا حصہ بن جاتے ہیں، پھر وہ نگرانی کے بغیر بھی ان پر عمل کرتا ہے کیونکہ خلاف ورزی پر اسے خود شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ یہی اندرونی کنٹرول سب سے پائیدار نظم پیدا کرتا ہے۔ چوتھا، ضابطے اقدار کو عملی صورت دیتے ہیں: انصاف ایک قدر ہے، مگر اس پر مبنی ضابطے اور قوانین اسے روزمرہ میں لاگو کرتے ہیں۔ یوں ضابطے فرد، گروہ اور ریاست — تینوں سطحوں پر نظم کا جال بنتے ہیں۔

البتہ ضابطوں کی حدود بھی ذہن میں رکھنی چاہئیں۔ بعض ضابطے فرسودہ ہو کر ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، جیسے لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف پرانی رسوم؛ ایسے ضابطے اصلاح اور قانون سازی سے بدلتے ہیں۔ بعض اوقات مختلف گروہوں کے ضابطے آپس میں ٹکرا کر تناؤ پیدا کرتے ہیں، جیسے شہری و دیہی اقدار کا اختلاف۔ اس کے باوجود مجموعی طور پر ضابطوں کے بغیر کوئی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا؛ یہ انسانی زندگی کا وہ غیر مرئی ڈھانچہ ہیں جو آزادی کو نظم کے ساتھ جوڑتے ہیں۔

ضابطوں کی تاثیر کا ایک اہم ذریعہ تقلید اور سماجی دباؤ بھی ہے۔ بچے اور نئے ارکان دیکھا دیکھی وہی رویہ اختیار کرتے ہیں جو اکثریت کا ہوتا ہے، اور گروہ کی جانب سے قبولیت کی خواہش انہیں ضابطوں کے اندر رکھتی ہے۔ اسی طرح ادارہ جاتی ضابطے — اسکول کے قواعد، دفتر کے اوقات، کھیل کے اصول — ارکان کو باقاعدہ تربیت دیتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ضابطے صرف پابندی نہیں لگاتے، وہ آزادی کو بھی ممکن بناتے ہیں: ٹریفک کے ضابطے ہی ہر شخص کو محفوظ سفر کی آزادی دیتے ہیں، اور کاروباری معاہدوں کے

اصول ہی اجنبیوں کے درمیان اعتماد سے لین دین ممکن بناتے ہیں۔ اس لیے ضابطوں کو زندگی کی رکاوٹ نہیں بلکہ اس کی سہولت سمجھنا چاہیے، بشرطیکہ وہ منصفانہ ہوں اور وقت کے ساتھ اصلاح پاتے رہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ سماجی ضابطے لوک ریت، اخلاقی ضابطوں اور قوانین کی صورت میں ہر سطح پر انسانی رویے کو منظم کرتے ہیں۔ یہ رویے کو قابلِ پیش بینی بنا کر اعتماد پیدا کرتے ہیں، انعام و سزا کے ذریعے خلاف ورزی روکتے ہیں اور سماجیاتی عمل سے فرد کے ضمیر کا حصہ بن کر دیرپا نظم قائم کرتے ہیں۔ وقت کے ساتھ فرسودہ ضابطوں کی اصلاح بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی ان کی پاسداری، کیونکہ ضابطوں کا اصل مقصد انسانی بھلائی اور معاشرتی توازن ہے نہ کہ جمود۔ اسی لیے زندہ معاشرے اپنے ضابطوں کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ان میں بہتری بھی لاتے ہیں۔

سوال نمبر 3: تصورِ ذات کی تشکیل اور آئینہ ذات (Looking Glass Self) (20 نمبر)

سوال نمبر 3: تصورِ ذات (Self) کی تشکیل میں سماجی عوامل کے کردار پر روشنی ڈالیں، خصوصاً "Looking Self Glass" کے تناظر میں۔ (20)

تعارف

ہر انسان اپنے بارے میں ایک تصور رکھتا ہے: میں کون ہوں، کیسا ہوں، میری خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں؟ اسی تصور کو تصورِ ذات (Concept-Self) کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ تصور کہاں سے آتا ہے؟ کیا انسان پیدائشی طور پر خود کو پہچانتا ہے یا یہ پہچان معاشرہ عطا کرتا ہے؟ ماہرینِ عمرانیات کا اتفاق ہے کہ ذات کوئی تیار شدہ چیز نہیں جو پیدائش کے وقت مل جائے؛ یہ دوسروں کے ساتھ تفاعل کے طویل عمل میں بنتی ہے۔ بچہ آئینے میں اپنا چہرہ پہچانتا ہے، مگر اپنی شخصیت کو وہ سماجی آئینے میں دیکھ کر پہچانتا ہے۔

اس جواب میں پہلے ذات اور سماجیاتی عمل کا تعلق بیان کیا جائے گا، پھر امریکی ماہر چارلس ہارٹن کولے (Charles Horton Cooley) کے نظریہ آئینہ ذات (Looking Glass Self) کی تفصیل بیان کی جائے گی، اس کی مثالوں اور جدید زندگی پر اطلاق کا جائزہ لیا جائے گا، اور ساتھ ہی میڈ کے نظریے سے اس کا تعلق اور تنقیدی پہلو بھی واضح کیا جائے گا۔

ذات کی تشکیل میں سماجی عوامل

ذات کی تشکیل کا آغاز خاندان سے ہوتا ہے۔ والدین بچے کو اس کا نام دیتے ہیں، اس کی تعریف یا تنقید کرتے ہیں اور اس کے لیے توقعات قائم کرتے ہیں؛ بچہ انہی ردعملوں سے سیکھتا ہے کہ وہ پیارا، ذہین یا شرارتی سمجھا جاتا ہے۔ اسکول میں اساتذہ اور ہم جماعت اس عمل کو آگے بڑھاتے ہیں۔ کھیل کے گروہ اسے تعاون اور مقابلہ سکھاتے ہیں، اور مذہب و ذرائع ابلاغ اسے اقدار اور شناخت کے بڑے ڈھانچے فراہم کرتے ہیں۔ جارج ہربرٹ میڈ (George Herbert Mead) کے مطابق بچہ پہلے اہم دوسروں (Significant Others) کے کردار ادا کرتا ہے، پھر کھیل کے مرحلے میں منظم اصول سیکھتا ہے اور آخر میں عمومی دوسرے (Generalized Other) یعنی پورے معاشرے کے نقطہ نظر سے خود کو دیکھنے لگتا ہے۔

یہ تمام عوامل مل کر ذات کے دو پہلو بناتے ہیں: ایک وہ جو معاشرے کی آواز ہے (Mead کے الفاظ میں Me) اور دوسرا فرد کا اپنا فطری و تخلیقی ردعمل (I)۔ صحت مند ذات انہی دونوں کے توازن کا نام ہے۔ اگر سماجی عوامل سخت گیر اور منفی ہوں تو ذات دب جاتی ہے، اور اگر وہ متوازن اور حوصلہ افزا ہوں تو خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ثقافتوں میں ذات کے تصورات مختلف ہوتے ہیں — کہیں فردیت اور کہیں اجتماعیت کو فوقیت حاصل ہے۔

نظریہ آئینہ ذات (Looking Glass Self)

چارلس ہارٹن کولے نے 1902ء میں اپنی کتاب Human Nature and the Social Order میں یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان خود کو درحقیقت دوسروں کے ردعمل کے آئینے میں دیکھتا ہے۔ جس طرح ہم شیشے میں دیکھ کر اپنا چہرہ اور لباس درست کرتے ہیں، اسی طرح ہم دوسروں کے رویے سے اپنے بارے میں رائے قائم کرتے اور اس کے

مطابق اپنی شخصیت سنوارتے ہیں۔ کولے کے مطابق اس عمل کے تین مراحل ہیں: پہلا، ہم تصور کرتے ہیں کہ ہم دوسروں کو کیسے نظر آتے ہیں؛ دوسرا، ہم تصور کرتے ہیں کہ دوسرے ہمارے بارے میں کیارائے قائم کرتے ہیں؛ اور تیسرا، اس تصور شدہ رائے کی بنیاد پر ہم میں فخر یا شرمندگی جیسا احساس ذات پیدا ہوتا ہے اور ہم اپنا رویہ اسی کے مطابق بدلتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک طالب علم جب کلاس میں سوال کا جواب دیتا ہے اور استاد مسکرا کر شاباش کہتا ہے اور ساتھی متاثر نظر آتے ہیں تو وہ خود کو ذہین اور قابل سمجھنے لگتا ہے اور مزید پڑھنے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جس بچے کو بار بار نالائق کہا جائے، وہ اس لفظ کو اپنی شناخت بنالیتا ہے اور کوشش چھوڑ دیتا ہے—حالانکہ اس کی اصل صلاحیت کم نہ بھی ہو۔ یہی بات بتاتی ہے کہ الفاظ اور ردعمل کس قدر طاقت رکھتے ہیں، خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کی زندگی میں۔

جدید زندگی میں نظریے کا اطلاق اور تنقیدی جائزہ

آج کے دور میں یہ آئینہ سوشل میڈیا کی صورت میں اور بڑا ہو گیا ہے۔ نوجوان اپنی تصویر یا پوسٹ پر ملنے والے ردعمل—پسندیدگیاں اور تبصرے—کی بنیاد پر اپنی قدر کا اندازہ لگاتے ہیں۔ مثبت ردعمل خود اعتمادی بڑھاتا ہے، جبکہ منفی تبصرے یا نظر انداز کیا جانا احساس کمتری اور ذہنی دباؤ پیدا کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کولے کا نظریہ سو برس بعد بھی اتنا ہی سچا ہے، صرف آئینے کی شکلیں بدل گئی ہیں۔ والدین اور اساتذہ کے لیے اس نظریے کا سبق واضح ہے: بچوں کے سامنے رکھی جانے والی تصویر ان کی شخصیت بن جاتی ہے، اس لیے تنقید بھی تعمیری اور حوصلہ رکھنے والی ہونی چاہیے۔

تنقیدی جائزے میں کہا جاتا ہے کہ تمام لوگ دوسروں کی رائے سے یکساں متاثر نہیں ہوتے؛ عمر، تجربہ اور خود شناسی کے ساتھ فرد میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ ہر رائے کو پرکھے اور غلط آئینوں کو مسترد کرے۔ بعض اوقات انسان دوسروں کے فیصلے کا درست اندازہ بھی نہیں لگا پاتا، کیونکہ یہ عمل خود تصور پر مبنی ہے۔ مزید یہ کہ ذات صرف سماجی آئینے ہی کی پیداوار نہیں، جینیاتی مزاج اور ذاتی تجربے کا بھی دخل ہے۔ ان تحفظات کے باوجود نظریے کی بنیادی بصیرت—کہ خود شناسی سماجی عمل ہے—آج بھی عمرانیات اور نفسیات دونوں میں تسلیم شدہ ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ تصورِ ذات فرد کی تنہائی میں نہیں بلکہ خاندان، اسکول، دوستوں اور وسیع معاشرے کے مسلسل تفاعل میں بنتا ہے۔ کولے کا نظریہ آئینہ ذات اس حقیقت کو سادہ اور خوبصورت مثال سے سمجھاتا ہے: ہم پہلے یہ تصور کرتے ہیں کہ دوسروں کو کیسے دکھائی دیتے ہیں، پھر ان کے متوقع فیصلے کا اندازہ لگاتے ہیں اور اسی سے فخر یا شرمندگی کا احساس جنم لیتا ہے جو ہماری شخصیت کو ڈھالتا ہے۔ سوشل میڈیا کے دور میں اس آئینے کی طاقت مزید بڑھ گئی ہے۔ اس لیے فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ درست آئینے منتخب کرے، اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ارکان، خصوصاً بچوں کے سامنے حوصلہ افزا اور منصفانہ تصویر رکھے۔

سوال نمبر 4: معاشرتی تبدیلی کے اسباب، اثرات اور نظریات (20 نمبر)

سوال نمبر 4: معاشرتی تبدیلی (Social Change) کے اسباب اور اثرات پر تفصیل سے بحث کریں، اور کسی ایک نظریے کی وضاحت کریں۔ (20)

تعارف

کوئی معاشرہ جامد نہیں رہتا۔ وقت کے ساتھ اس کے اداروں، اقدار، رسوم، ٹیکنالوجی اور تعلقات میں جو نمایاں تبدیلی آتی ہے اسے معاشرتی تبدیلی (Social Change) کہتے ہیں۔ آج کا پاکستانی معاشرہ سو سال پہلے کے معاشرے سے خاندانی ڈھانچے، تعلیم، عورت کے کردار، ذرائع ابلاغ اور معیشت — ہر شعبے میں مختلف ہے۔ یہ تبدیلی کبھی سست اور بتدریج ہوتی ہے اور کبھی انقلاب یا بڑی ایجاد سے یکایک بھی آتی ہے۔ ماہرینِ عمرانیات کے لیے یہ جاننا بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ تبدیلی آتی کیوں ہے، اس کے اثرات کیا ہوتے ہیں اور اسے کن نظریات سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اس جواب میں پہلے معاشرتی تبدیلی کے اسباب — تکنیکی، معاشی، ثقافتی، آبادیاتی، سیاسی اور قدرتی — تفصیل سے بیان کیے جائیں گے، پھر اس کے مثبت و منفی اثرات کا جائزہ لیا جائے گا اور آخر میں کارل مارکس کے تصادمی نظریے کی وضاحت کی جائے گی۔

معاشرتی تبدیلی کے اسباب

1۔ تکنیکی اسباب

ایجادات تبدیلی کا سب سے طاقتور ذریعہ ہیں۔ بھاپ کے انجن نے صنعتی انقلاب برپا کیا، بجلی نے رات دن کا تصور بدل دیا، اور موبائل و انٹرنیٹ نے رابطے، تجارت اور تعلیم کے انداز سرے سے بدل ڈالے۔ ولیم آگبرن کے مطابق مادی ثقافت تیزی سے بدلتی ہے جبکہ غیر مادی ثقافت (اقدار و قوانین) پیچھے رہ جاتی ہے، اور یہی خلا نئے مسائل پیدا کرتا ہے۔

2۔ معاشی اور آبادیاتی اسباب

پیداوار کے ذرائع اور معیشت کی صورت بدلنے سے پورا معاشرہ بدلتا ہے: زراعت سے صنعت اور پھر خدمات کی معیشت تک؛ دیہی سے شہری آبادی، خاندانی ڈھانچے اور عورت کے روزگار کو بدل چکا ہے۔ آبادی میں اضافہ یا کمی، ہجرت اور شہری آبادکاری بھی تبدیلی کے بڑے اسباب ہیں؛ شہروں میں مختلف علاقوں کے لوگ مل کر نئی ثقافت بناتے ہیں۔

3۔ ثقافتی، سیاسی اور قدرتی اسباب

خیالات اور نظریات بھی معاشرے بدلتے ہیں؛ تعلیم کا پھیلاؤ، مذہبی و اصلاحی تحریکیں اور دوسری ثقافتوں سے رابطہ اقدار میں تبدیلی لاتا ہے۔ سیاسی عوامل میں قانون سازی، سیاسی تحریکیں اور انقلابات شامل ہیں، جن سے حقوق اور ادارے بدل جاتے ہیں۔ قدرتی عوامل — سیلاب، زلزلے، وبائیں اور موسمی تبدیلی — بھی آبادیوں کو ہجرت اور نئے طرزِ زندگی پر مجبور کر دیتے ہیں، جیسا کہ حالیہ وبا نے تعلیم اور دفتری کام کو آن لائن کر کے دکھایا۔

یہاں ایک اور نظریہ بھی قابل ذکر ہے جسے ارتقائی نقطہ نظر کہا جاتا ہے۔ ہربرٹ اسپنسر اور دیگر ارتقا پسند مفکرین کے مطابق معاشرے سادہ سے پیچیدہ کی طرف بڑھتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے زندہ جسم کی نشوونما ہوتی ہے۔ شکار اور خوراک جمع کرنے والے سادہ معاشروں سے زرعی، پھر صنعتی اور اب معلوماتی معاشرے تک کا سفر اسی تدریجی عمل کی مثال ہے۔ اس زاویے سے تبدیلی اندرونی نشوونما کی صورت میں آتی ہے، اگرچہ اس پر باہر کے عوامل بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ جدید ماہرین تبدیلی کو کسی ایک نظریے میں

قید نہیں کرتے؛ان کے نزدیک تکنیکی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی عوامل ایک ساتھ مل کر معاشرے کو بدلتے ہیں، اور کسی خاص دور میں کسی ایک عامل کا وزن زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور کم بھی۔ یہ کثیر العملی وضاحت تبدیلی کی اصل پیچیدگی کو زیادہ بہتر طور پر سمجھاتی ہے۔

معاشرتی تبدیلی کے اثرات

تبدیلی کے مثبت اثرات میں معیارِ زندگی کی بہتری، تعلیم و صحت کا پھیلاؤ، خواتین اور پسماندہ طبقات کے حقوق میں اضافہ، سماجی حرکت پذیری کے مواقع اور فرسودہ رسوم کا خاتمہ شامل ہیں۔ ٹیکنالوجی نے فاصلے سمیٹ دیے ہیں اور علم تک رسائی سستا کر دیا ہے۔ مشترکہ خاندانوں کی جگہ نیوکلیئر خاندانوں نے جہاں فرد کو آزادی دی، وہیں نئی سماجی تنظیموں اور فلاحی نظاموں کی ضرورت بھی پیدا کی۔

دوسری طرف منفی اثرات بھی نمایاں ہیں: پرانی اقدار کی کمزوری سے خاندانی انتشار، بزرگوں کی تنہائی، جرائم اور منشیات میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ تیز تبدیلی ثقافتی تاخیر پیدا کرتی ہے—مثال کے طور پر سوشل میڈیا آ گیا مگر اس کے آداب و قوانین پیچھے رہ گئے۔ بے روزگاری کی نئی صورتیں، ماحولیاتی آلودگی اور شناخت کا بحران بھی تبدیلی کی قیمت ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ تبدیلی بذاتِ خود نہ اچھی ہے نہ بری؛ اس کی سمت اور رفتار پر انسانی منصوبہ بندی اثر انداز ہو سکتی ہے۔

تبدیلی کا ایک نظریہ: کارل مارکس کا تصادمی نظریہ

کارل مارکس (Karl Marx) نے معاشرتی تبدیلی کی وضاحت معاشی بنیاد اور طبقاتی تصادم سے کی۔ اس کے مطابق ہر معاشرے کی بنیاد اس کا طریقہ پیداوار ہے، جس میں پیداواری قوتوں (اوزار، ٹیکنالوجی، مزدور) اور پیداواری تعلقات (مالک و مزدور) شامل ہوتے ہیں۔ معاشرے کے باقی ادارے—سیاست، قانون، مذہب اور تعلیم—اسی معاشی بنیاد پر قائم بالائی ڈھانچہ (Superstructure) ہیں۔ جب پیداواری قوتیں ترقی کرتی ہیں اور پرانے تعلقات ان کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں تو تصادم پیدا ہوتا ہے۔ تاریخ میں یہی کشمکش غلامی سے جاگیرداری اور جاگیرداری سے سرمایہ داری تک کے مراحل کی محرک رہی۔

مارکس کے نزدیک سرمایہ دارانہ نظام میں بورژوا (سرمایہ دار) اور پرولتاریہ (مزدور) طبقات کے مفادات کا تصادم ناگزیر ہے؛ مزدوروں کی محرومی بڑھتی ہے، ان میں طبقاتی شعور پیدا ہوتا ہے اور بالآخر انقلاب سے نظام بدلتا ہے۔ اس نظریے کی طاقت یہ ہے کہ یہ معیشت اور طاقت کے کردار کو اجاگر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ تبدیلی صرف خیالات سے نہیں، مادی حالات سے بھی آتی ہے۔ تنقید یہ کی جاتی ہے کہ مارکس نے معاشی عامل کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی اور مذہب و ثقافت کے خودمختار کردار کو نظرانداز کیا؛ نیز کئی معاشروں میں تبدیلی انقلاب کے بجائے بتدریج اصلاحات سے آئی۔ اس کے باوجود مارکس کا نظریہ آج بھی تبدیلی اور عدم مساوات کو سمجھنے کا اہم ذریعہ ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ معاشرتی تبدیلی تکنیکی ایجادات، معاشی و آبادیاتی تبدیلیوں، ثقافتی و سیاسی عوامل اور قدرتی حالات کے ملے جلے اثر سے آتی ہے۔ اس کے اثرات دوطرفہ ہیں: ایک طرف ترقی، آزادی اور حقوق کا پھیلاؤ، اور دوسری طرف انتشار، ثقافتی تاخیر اور نئے سماجی مسائل۔ مارکس کا تصادمی نظریہ اس تبدیلی کو معاشی بنیاد اور طبقات کے تصادم سے سمجھاتا ہے، جو اگرچہ واحد وضاحت نہیں، مگر ایک طاقتور زاویہ نظر فراہم کرتا ہے۔ باشعور معاشرے تبدیلی کو روکنے کے بجائے اسے سمت دیتے ہیں تاکہ اس کے فوائد زیادہ اور نقصانات کم سے کم ہوں۔

سوال نمبر5: مختصر نوٹ (10 + 10 نمبر)

سوال نمبر5: مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ تحریر کریں: 1۔ ثقافتی تاخیر (Cultural Lag) 2۔ سماجی کنٹرول کے ذرائع (10 + 10)

نوٹ1: ثقافتی تاخیر (Cultural Lag)

ثقافتی تاخیر کا نظریہ امریکی ماہر ولیم ایف۔ آگبرن (Ogburn .William F) نے 1922ء میں اپنی کتاب Social Change میں پیش کیا۔ اس کے مطابق ثقافت کے دو حصے یکساں رفتار سے نہیں بدلتے: مادی ثقافت — اوزار، مشینیں، ٹیکنالوجی — تیزی سے بدلتی ہے، جبکہ اس سے متعلق غیر مادی ثقافت — اقدار، رسوم، قوانین اور اخلاقیات

— آہستہ بدلتی ہے۔ اس رفتار کے فرق سے جو خلا پیدا ہوتا ہے اسے ثقافتی تاخیر کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر صنعتی مشینیں متعارف ہوئیں تو کارخانوں کے قوانین اور مزدوروں کے تحفظ کے ضابطے کئی دہائیاں پیچھے رہ گئے، جس دوران استحصال جاری رہا۔

جدید دور میں اس کی واضح مثالیں ہر طرف نظر آتی ہیں۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پھیل چکے ہیں مگر ان کے آداب، پرائیویسی کے قوانین اور بچوں کے تحفظ کے اصول ابھی تشکیل پا رہے ہیں؛ گاڑیوں کی تعداد بڑھ گئی مگر ٹریفک شعور اور قوانین کا نفاذ پیچھے ہے؛ اے ٹی ایم اور آن لائن بینکاری آ گئی مگر بڑی عمر کے افراد کی تربیت اور سائبر جرائم کی روک تھام کا نظام سست ہے۔ ثقافتی تاخیر کے اس دور میں معاشرے میں بے ترتیبی، ٹکراؤ اور مسائل پیدا ہوتے ہیں، یہاں تک کہ غیر مادی ثقافت نئی صورتحال سے ہم آہنگ ہو جائے۔ اس نظریے کا عملی سبق یہ ہے کہ نئی ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ قوانین، تعلیم اور اقدار کی اصلاح بھی اسی رفتار سے کی جائے، ورنہ فوائد کے ساتھ نقصانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔

ثقافتی تاخیر کی بحث میں نقاد یہ نکتہ بھی اٹھاتے ہیں کہ بعض اوقات غیر مادی ثقافت بھی مادی ثقافت سے آگے نکل جاتی ہے؛ مثلاً کے طور پر ماحولیات کے تحفظ کا شعور ان صنعتوں سے پہلے جاگ سکتا ہے جو صفائی کی ٹیکنالوجی رکھتی ہوں۔ اس کے باوجود آگبرن کے نظریے کی بنیادی سچائی برقرار ہے کہ دونوں حصوں کی رفتار کا فرق ہی ہم آہنگی کے مسائل پیدا کرتا ہے۔ اس نظریے نے منصوبہ سازوں کو ایک اہم اصول دیا: جب بھی کوئی بڑی تکنیکی تبدیلی متعارف کرائی جائے تو اسی وقت اس سے متعلق تعلیم، قوانین اور اخلاقیات کی تیاری بھی کی جائے۔ موبائل بینکاری کے ساتھ دھوکا دہی سے بچاؤ کی آگاہی، سوشل میڈیا کے ساتھ بچوں کی رہنمائی، اور مصنوعی ذہانت کے ساتھ اس کے اخلاقی ضابطے — یہ سب اسی اصول کے عملی تقاضے ہیں۔ یوں ثقافتی تاخیر صرف کتابی اصطلاح نہیں بلکہ ہر ترقیاتی پالیسی کے لیے رہنما اصول ہے۔

نوٹ 2: سماجی کنٹرول کے ذرائع

سماجی کنٹرول (Social Control) سے مراد وہ تمام ذرائع اور طریقے ہیں جن سے معاشرہ اپنے ارکان کے رویے کو ضابطوں کے مطابق رکھتا ہے اور بگاڑ کو روکتا ہے۔ اس کے ذرائع کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ غیر رسمی ذرائع وہ ہیں جو روزمرہ تعلقات سے چلتے ہیں: خاندان کی تربیت، محلے اور برادری کی رائے، مذہبی تعلیمات، رسم و

رواج، دوستوں کا دباؤ، تعریف و مذمت اور سماجی بائیکاٹ۔ یہ ذرائع چھوٹے اور قریبی معاشروں میں غیر معمولی طاقت رکھتے ہیں، کیونکہ انسان اپنی عزت اور تعلقات کی قدر کرتا ہے؛ شرم و لحاظ ہی بہت سے رویوں کو درست رکھتے ہیں۔

رسمی ذرائع وہ ہیں جو ریاست اور اداروں کے ذریعے منظم طریقے سے چلتے ہیں: قوانین، عدالتیں، پولیس، جیل، جرمانے، اور تنظیموں کے اپنے قواعد و انضباطی کارروائیاں۔ تعلیم اور ذرائع ابلاغ بھی کنٹرول کے طاقتور جدید ذرائع ہیں جو اقدار کو پھیلاتے یا ضمیر بناتے ہیں۔ مؤثر معاشرے میں دونوں ذرائع ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں: جہاں ضمیر اور رسم کام کرتی ہے وہاں قانون کی ضرورت کم پڑتی ہے، اور جہاں غیر رسمی کنٹرول کمزور پڑ جائے — جیسے بڑے گمنام شہروں میں — وہاں رسمی ذرائع کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ توازن یہی ہے کہ کنٹرول اتنا ہو کہ نظم قائم رہے مگر اتنا سخت نہ ہو کہ انسانی آزادی اور وقار مجروح ہو۔

سماجی کنٹرول کی کامیابی کا اصل پیمانہ یہ نہیں کہ سزائیں کتنی سخت ہیں بلکہ یہ ہے کہ شہری خود سے کس حد تک درست رویہ اختیار کرتے ہیں۔ جہاں خاندان اپنے فرائض سے غافل ہو جائے اور تعلیمی ادارے صرف ڈگریاں بانٹنے لگیں، وہاں پولیس اور عدالتیں بھی نظم برقرار نہیں رکھ سکتیں، کیونکہ رسمی کنٹرول ہمیشہ غیر رسمی کنٹرول کی بنیاد پر کھڑا ہوتا ہے۔ دوسری اہم بات تناسب ہے: ضرورت سے زیادہ سخت کنٹرول انسانی وقار اور آزادی کو مجروح کر کے بے چینی پیدا کرتا ہے، جبکہ ضرورت سے نرم کنٹرول انارکی کو دعوت دیتا ہے۔ صحت مند معاشرے میں یہ توازن تربیت، مذہب، قانون اور میڈیا کی ذمہ دارانہ کارکردگی سے قائم رہتا ہے۔ ڈیجیٹل دور میں خاندانوں اور ریاستوں دونوں کو کنٹرول کے نئے میدان — آن لائن دنیا — کے لیے نئے غیر رسمی آداب اور نئے قوانین دونوں تیار کرنے ہیں، یہی اس تصور کی عصری اہمیت ہے۔

آخر میں یہ نکتہ بھی سمجھنا چاہیے کہ سماجی کنٹرول کی کامیابی میں تعلیم کا کردار سب سے بنیادی ہے، کیونکہ پڑھا لکھا اور باشعور شہری قانون کی روح کو سمجھتا ہے اور محض خوف سے نہیں بلکہ یقین سے اس کی پاسداری کرتا ہے۔ اسی طرح جدید دور میں سوشل میڈیا ایک نیا غیر رسمی کنٹرول بھی بن گیا ہے: غلط خبر یا بدنامی کا فوری ردعمل سوسائٹی کی اجتماعی نگرانی کی ایک شکل ہے، اگرچہ اس کے منفی پہلو یعنی افواہ اور ہجوم کا انصاف بھی ساتھ موجود ہیں۔ نتیجہ یہی ہے کہ کنٹرول کے ذرائع بدلتے دور کے ساتھ شکل بدلتے ہیں، مگر ان کا مقصد — فرد کی آزادی اور معاشرے کے نظم کے درمیان توازن — ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے، اور یہی توازن کسی معاشرے کی تہذیبی پختگی کا پیمانہ ہے۔

نتیجہ

خلاصے کے طور پر، ثقافتی تاخیر ہمیں بتاتی ہے کہ تبدیلی کے دور میں مسائل اکثر ٹیکنالوجی نہیں بلکہ اس سے پیچھے رہ جانے والی اقدار و قوانین کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، جبکہ سماجی کنٹرول کے رسمی و غیر رسمی ذرائع معاشرے کو انہی مسائل سے نکال کر ضابطوں کے دائرے میں رکھتے ہیں۔ دونوں تصورات مل کر سمجھاتے ہیں کہ صحت مند معاشرہ وہ ہے جو تبدیلی بھی قبول کرے اور اس کے ساتھ اپنے اخلاقی و قانونی ڈھانچے کو بھی اسی رفتار سے آگے بڑھائے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com